29

مومن کو دین کے کام کس طرح کرنے چاہئیں

(فرمودہ ۱۷ر اگست ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

آج میں ایک اہم معاملہ کے متعلق اپنے دوستوں کو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ گو بہ سبب کھانسی کی تکلیف کے میں ڈرتا ہوں کہ اس خوش اسلوبی سے مضمون کو ادا نہ کر سکوں گا جو اس کا حق ہے۔ تاہم میں حتی الوسع کوشش کرونگا کہ ایسے رنگ میں ادا کروں کہ سب دوست اچھی طرح سمجھ سکیں۔ وہ مضمون جس کے متعلق میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور جسے لوگوں کے ذہن میں اچھی طرح داخل کرنا چاہتا ہوں' کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مومن کو دین کے کام کس طرح کرنے چاہئیں۔ جب تک کوئی شخص اپنی ذمہ واری کو محسوس نہیں کرتا۔ جب تک کوئی انسان اپنے فرائض سے آگاہ نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی انسان کسی چیز کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اس کام میں نہ تو کامیابی ہو سکتی ہے نہ برکت ہوتی ہے۔ درحقیقت تمام کامیابیاں فرائض کی ادائیگیاں حقیقت پر آگاہی اور فرائض کے سمجھنے پر منحصر ہوتی ہیں۔ ایک نہایت فہیم اور ہوشیار انسان کو اگر ایسے کام پر لگا دیا جائے جس کی حقیقت' جس کی ماہیت' جس کے فرائض اور جس کی ذمہ داریوں سے وہ آگاہ نہ ہو تو کبھی اچھی طرح اسے نہ کر سکے گا۔ لیکن اگر ایک جاہل اور کم عقل انسان کو ایسے کام پر لگا دیا جائے جس کی حقیقت اور ذمہ داریوں سے وہ آگاہ ہو تو وہ اسے اچھی طرح کر سکے گا۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہوشیار ہوتے ہیں وہ جب کسی بات کو سمجھ لیں تو عمدگی سے اسے حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر دنیا کے کاموں میں عموماً" نامراد رہتے ہیں اور بعض ایسے آدمی ہوتے ہیں جنہیں لوگ بیوقوف اور اُلّو کہتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر گورنمنٹ کے ملازم ہوں تو ہر سال ان کے عہدہ اور تنخواہ میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ کہنے والے انہیں اُلّو اور احمق کہتے رہتے ہیں۔ مگر بہ نسبت عقل مندوں کے وہ اُلّو بڑھتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اگر کوئی شخص سچائی کے ساتھ غور کرے اور دونوں کی حالت کا موازنہ کرے تو واقعہ میں وہ عقلمند ہوتے ہیں اور دوسرے واقعہ میں اُلّو ہی ہوتے ہیں۔ مگر ایسے موقع پر پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اپنی قسمت حالانکہ خداتعالیٰ

کسی کو بد قسمت نہیں بناتا سارے بندے اس کے ہیں۔ پھر وہ کسی کو بد قسمت کیوں بناتا اور سارا قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک کو خدا نے خوش قسمت بنایا ہے۔ آگے انسان خود اپنے آپ کو خوش قسمت ثابت کرتا ہے اور خود ہی اپنے آپ کو بد قسمت ٹھہراتا ہے۔ ورنہ ترقی کرنے والا انسان نہ اس قسمت کی وجہ سے ترقی کرتا ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ اور نہ تنزل کرنے والا اس قسمت کی وجہ سے تنزل کرتا ہے بلکہ دونوں میں سے ایک کی کامیابی اور دوسرے کی ناکامی کا راز اپنی اپنی کوششوں میں ہوتا ہے جو شخص ترقی کرتا ہے وہ اس لئے کرتا ہے کہ اپنے فرائض کو سمجھتا ہے۔ اور جو شخص تنزل کے گڑھے میں گرتا ہے۔ وہ اس لئے گرتا ہے کہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص عقل اور اعلیٰ حافظہ رکھتا ہے تو کس کام کا؟ اگر اسے صحیح طور پر استعمال نہیں کرتا۔ بعض شاعر لکھتے ہیں اور بہت خوب لکھتے ہیں کہ دنیا کے باغ میں بہت سے پھول ایسے کھلتے ہیں کہ اگر وہ اپنی خوبصورتی اور شادابی دکھا سکیں تو لوگ ان پر لٹو ہو جائیں اور وہ لوگ جو دنیا میں شہرت حاصل کئے ہوتے ہیں ان کے سامنے ماند پڑ جائیں یعنی دنیا میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں کہ جن کو اگر کام کرنے کا موقع ملتا اور وہ کچھ کر کے دکھا سکتے تو بڑے بڑے مشہور لیڈر اور شہرت یافتہ لوگ ان کے سامنے حقیر ہو جاتے۔ مگر شہرت پانے والوں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ان کو کام کرنے کا موقع نہ ملا اور دوسروں کو موقع مل گیا اس لئے یہ تو زمین میں پوشیدہ پڑے رہے اور وہ آسمان کے ستارے بن گئے۔

یہ ایک لطیف مضمون ہے مگر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ جو اعلیٰ قابلیتیں رکھتے ہیں گمنام اس لئے نہیں رہتے کہ انہیں اپنی لیاقت دکھانے کا موقع نہیں ملتا بلکہ اس لئے گمنام رہتے ہیں کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اپنی طاقتوں کو کس طرح خرچ کریں یا کس محل پر خرچ کریں اور ایسے وجود ان کی نسبت بہت زیادہ ہوتے ہیں جن کو موقع نہیں ملا ہوتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ موقع نکالنا بھی تو انسان کی اپنی طاقت میں ہے۔ اور جو اپنی طاقت سے کام نہیں لیتا اسے طاقت کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ دیکھو سوئے ہوئے کو جگانا آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا بہت مشکل ہے۔ پس جس کو خدا نے طاقتیں دی ہوں وہ اگر ان کو استعمال نہیں کرتا تو اس کو بلند مقام پر کھڑا کرنا کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ تو بہت لوگ اس لئے دنیا میں ناکام نہیں رہتے کہ ان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا بلکہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ وہ اپنی لیاقت کا استعمال نہیں جانتے اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ نہیں ہوتے اگر وہ اپنی ذمہ داریوں اور کام کی حقیقت کو سمجھ لیں تو کامیاب ہو جائیں لیکن چونکہ سمجھتے نہیں اس لئے ناکام ہوتے ہیں۔ مومنوں کی ناکامی کی وجہ بھی یہی ہوتی رہے ان میں ایمان ہوتا ہے ان کو سچا دین اور صداقت مل جاتی

ہے۔ مگر چونکہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دین کو کس طرح استعمال کریں اور ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں جن کو بجالا کر اللہ تعالیٰ کے فضل کے وارث بنیں۔ اس لئے ناکام رہتے ہیں۔ آج میں اس مضمون کے ایک پہلو کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مومن کو کس طرح دینی کام کرنا چاہیئے۔ میرے نزدیک بہت سے لوگ اس لئے روحانی ترقی اور قرب الٰہی سے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کس طرح کام کرنا چاہیئے اور بہت سے لوگ اس شبہ میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں فلاں کا ہے۔ یا یہ کہ ہم کو کسی نے یہ کام کرنے کے لئے نہیں کہا اس لئے ہم کیوں کریں۔ اس طرح وہ دینی خدمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر انسان اپنے اور خدا تعالیٰ کے تعلق پر غور کرے تو اسے یہ عجیب بات معلوم ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ مقرر نہیں کیا۔ اور یہ ایک بہت بڑا فرق اسلام اور دیگر مذاہب میں ہے اور مذاہب نے خدا اور بندے کے درمیان مختلف واسطے رکھے ہیں۔ لیکن اسلام براہ راست خدا سے تعلق بتاتا ہے اور کسی کو واسطہ نہیں ٹھہراتا۔ مثلاً عیسائیت بتلاتی ہے کہ خدا اور بندہ کے درمیان مسیح کا وجود کھڑا ہے۔ کوئی شخص خدا تک پہنچ نہیں سکتا جب تک مسیح کو وسیلہ نہ بنائے۔ زرتشتی لوگ روحانی طاقتوں کو وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ آگ، سمندر، سورج اور اپنے پرانے بزرگوں کے متعلق کہتے ہیں کہ کوئی انسان خدا تک پہنچ نہیں سکتا جب تک اس وسیلہ کے ذریعہ تعلق نہ پیدا کرے۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں انہوں نے بھی مختلف وسیلے بنائے ہوئے ہیں۔ کسی نے شوجی کو وسیلہ قرار دیا ہے، کسی نے برہما کو، کسی نے رام چندر جی، کو کسی نے کرشن جی کو اور جو ہندوؤں میں سے ہی الگ مذہب بن گئے ہیں۔ مثلاً بدھ اور جینی وغیرہ انہوں نے بھی اپنے الگ الگ وسائل بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے بغیر کوئی انسان خدا تک نہیں پہنچ سکتا پس غیر مذاہب کے لوگ ان وسیلوں کی عبادتیں کرتے ہیں۔ نہ کی خدا کی۔ اسلام نے پہلی ضرب ان پر یہ لگائی ہے کہ خدا اور بندہ میں کوئی وسیلہ نہیں۔ خدا اور بندہ میں وہی وسیلہ ہے جو خدا کو بندہ سے شفقت اور محبت ہے اور جو رحمانیت اور رحیمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے کہ میں اس خدا کا نام لیتا ہوں جو رحمان اور رحیم ہے۔ اور جس کی رحمانیت اور رحیمیت کے ہوتے ہوئے اور کسی کی ضرورت نہیں۔ دیکھو کسی کے پاس جانے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اول یہ کہ جانے کے لئے سامان میسر ہو اور دوسرے یہ کہ جس کے پاس جانا ہو۔ وہ اپنا دروازہ کھول دے اور ملاقات کر لے۔ مثلاً ایک شخص جو اپنے کسی دوست کے پاس جانا چاہتا ہے اس کے لئے دو ہی روکیں ہو سکتی ہیں اور وہ یہ کہ دوست کہیں دور رہتا ہو جہاں ریل نہ جاتی ہو اور جانے کا سامان میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہاں چلا تو جائے مگر وہ دوست اپنے گھر میں اسے گھسنے نہ دے۔ ان دو روکوں

کے سوا اور کوئی روک نہیں ہو سکتی اور نہ کسی وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان دو روکوں کے متعلق خداتعالیٰ نے کہدیا ہے کہ جو میرے پاس آنا چاہتے ہیں انہیں بتادو میں رحمان ہوں اپنے پاس پہنچنے کے سارے سامان میں نے بغیرانسان کی خواہش اور ارادہ کے مقرر کر دیئے ہیں۔ اب سامان تو میسر ہو گئے مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب تک مسیح' کرشن' شوجی' آگ' سورج' زرتشت وغیرہ نہ کہدے کہ فلاں کو اپنے پاس آنے دیا جائے۔ اس وقت تک دروازہ نہیں کھلتا۔ اس کے متعلق فرمایا میں رحیم ہوں جو مجھ سے محبت کرتا اور میری طرف آتا ہے میں اسے آگے بڑھ کے ملتا ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی بعض جاہل اس طرف چلے گئے ہیں کہ خداتعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کوئی وسیلہ ہونا چاہیئے۔ ایک وسیلہ تو قرآن نے بھی بتایا ہے مگر اس کے معنے خداتعالیٰ کا قرب ہے اور یہ صحیح ہے مگر بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ خدا اور انسان کے درمیان کوئی اور انسان وسیلہ ہونا چاہیئے حالانکہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی وسیلہ نہیں۔ اس لئے ہر حکم ہر انسان کو خداتعالیٰ کی طرف سے براہ راست ملتا ہے۔ اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ کوئی کہے اگر یہ سچ ہے تو ہر انسان پر شریعت نازل ہونی چاہیئے مگر یہ اعتراض درست نہیں۔ شریعت کے نزول کی وجہ اور ہے اور ہر بندہ کو حکم ملنا اور ہے۔ ہر انسان پر شریعت اس لئے نازل نہیں ہو سکتی کہ اس کے ساتھ نمونہ بھی چاہیئے اور جب تک کوئی انسان کامل طور پر پاک نہ ہو اس وقت تک نمونہ نہیں ہو سکتا اور جب تک نمونہ نہ ہو شریعت نہیں نازل ہو سکتی۔ پس اگر ہر انسان کو شریعت ملنی ہوتی تو ساری دنیا ہی اس سے محروم رہتی کیونکہ ایسے وجود گمراہی کے زمانہ میں کم ہی پائے جاتے ہیں جو کامل طور پر پاک ہوں۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں لوگ گر گئے تھے اور اس قدر ادنیٰ درجہ پر چلے گئے تھے کہ کوئی ان میں سے خدا سے کلام نہ کر سکتا تھا۔ جب یہ حالت تھی تو اس وقت چونکہ صرف محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی شریعت پانے کے قابل تھے۔ اس لئے اس وقت صرف آپ ہی ہدایت پاتے اور کوئی نہ پاتا۔ مگر منشائے الٰہی یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا ہدایت پائے اس لئے وہ اپنے نبیوں کو کھڑا کرتا ہے اور وہ چونکہ مستحق ہوتے ہیں خداتعالیٰ سے کلام کرنے کے' اس لئے ان کو کہتا ہے میں لوگوں سے بوجہ ان کی بداعمالیوں کے خفا ہوں۔ تو ان سے کہو کہ اپنی اصلاح کریں اور خدا کے محبوب بن جائیں۔ جیسے باپ جو بچہ سے خفا ہو دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے کو یہ بات کہدے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ باپ کا بیٹے سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے مگر لڑکے کی حالت چونکہ ایسی نہیں ہوتی کہ براہ راست مخاطب کیا جا سکے اس لئے دوسرے کے ذریعہ اپنی شفقت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ تو نبیوں کو خداتعالیٰ شریعت دے کے بھیجتا ہے اور وہ آکر

لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سناتے ہیں۔ اور جس دن لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اسی دن وہ کلام براہ راست ان کا ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اسی دن اس پر قرآن کریم نازل ہوتا ہے ورنہ اگر صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن نازل ہوا تو ہم پر اس کی پابندی کیوں؟ ہر شخص جو ایمان لاتا ہے اس پر قرآن نازل ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں قرآن اور دوسری کتابوں کے متعلق آتا ہے کہ تم پر نازل کی گئیں۔ حالانکہ بظاہر تو وہ نبی پر نازل ہوئیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام بندے جو مخاطب ہوتے ہیں ان سب پر نازل ہوتی ہیں۔ اس وقت چونکہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے کلام کرنے کے مستحق تھے اور لوگ نہ تھے۔ اس لئے آپ ہی پر نازل ہوا۔ ورنہ جب کوئی ایمان لاتا ہے اسی پر نازل ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیا نے کہا ہے کہ نماز میں اس وقت تک لذت نہیں آسکتی جب تک وہ آیتیں جو انسان پڑھ رہا ہو ان کے متعلق یہ نہ سمجھے کہ مجھ پر نازل ہو رہی ہیں تو ہر بندہ اور خدا کا تعلق براہ راست ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اپنا کلام توسط سے پہنچاتا ہے تو اس لئے کہ جسے واسطہ بنایا جاتا ہے اس کے سوا باقی لوگ خدا سے دور ہوتے ہیں۔ اور جب قریب آجاتے ہیں تو وہ کلام ان کے لئے بھی ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا اس کے لئے جس پر نازل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ ہے اور ہمارے لئے نہیں۔ سب کے لئے ایک ہی جیسا قرآن ہے اس لئے وہ ہمارے لئے کلام ہے۔ اور گویا ہم پر نازل ہوا ہے۔

پس خدا تعالیٰ سے بندہ کا براہ راست تعلق ہوتا ہے حتّٰی کہ رسول کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بعض صوفیا نے لکھا ہے کہ بندہ اور خدا کا ایسا تعلق ہوتا ہے کہ پیر نہیں جانتا اس کے مرید کا خدا سے کیا تعلق ہے اور مرید کو علم نہیں ہوتا کہ اس کے پیر کا خدا سے کتنا تعلق ہے؟ کیونکہ بندہ اور خدا کا تعلق بلا واسطہ ہوتا ہے اگر بالواسطہ ہوتا تو پیر کو بتایا جاتا کہ تمہارے فلاں مریدُ کا خدا سے یہ تعلق ہے اور فلاں کا یہ۔ مگر ہر انسان کا تعلق خدا سے براہ راست ہوتا ہے اور جب براہ راست ہوتا ہے تو دین کی سب باتیں ہر ایک بندہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں بھی کوئی واسطہ نہیں۔ مثلاً یہ نہیں کہ نماز اس لئے پڑھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے بلکہ اس لئے پڑھے کہ خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہا ہے اور ہم کو بھی کہا ہے۔ روزہ اس لئے نہ رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے بلکہ اس لئے رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا نے کہا ہے اور ہم کو بھی خدا نے کہا ہے۔

پس جب رسول بھی وسیلہ نہیں ہوتے تو اور کوئی وجود تو ہو ہی نہیں سکتا۔ رسولوں سے اتر کر خلفاء اور مجددین ہوتے ہیں۔ یہ کس طرح وسیلہ ہو سکتے ہیں۔ پس درحقیقت ہر مومن خدا تعالیٰ سے

براہ راست تعلق رکھتا ہے اور براہ راست ساری ذمہ واریاں پاتا ہے۔ اب سوال یہ ہو سکتا ہے کہ پھر خدا کے رسولوں اور خلفاء کی اطاعت کی کیا ضرورت ہے لیکن ان کی اطاعت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی سفارش کے بغیر خداتعالیٰ کسی کی بات نہیں سنتا۔ وہ خدا اور بندہ کے درمیان وسیلہ نہیں بلکہ نمونہ ہوتے ہیں۔ وسیلہ تو یہ ہوتا ہے کہ چاہے کوئی شخص کتنا نیک اور پرہیزگار ہو جب تک وسیلہ نہ کہے خدا اس سے نہیں ملے گا اور نمونہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں انسان نیک اور خدا کا مقرب ہے ہم بھی ویسے بنیں۔ تو انبیاء نمونہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ کامل اور اکمل وجود ہوتے ہیں۔ وہ گویا خدا کا مجسم کلام ہوتے ہیں۔ جس طرح خدا کے کلام کو لفظوں میں قرآن میں پڑھ لیا۔ اگر اس کو شکل میں دیکھنا ہو تو وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا مجسم کلام بن گئے۔ اس لئے جس طرح خدا کے کلام کی اتباع ہمارے لئے ضروری ہے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی ضروری ہے کیونکہ آپ لوگوں کے لئے نمونہ ہیں اور نمونہ کو دیکھ کر انسان بہت جلدی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو وضو کرنے کا طریق سکھانا ہو تو وہ زبانی بتانے سے اتنی جلدی نہیں سیکھ سکے گا جتنی جلدی کر کے دکھانے سے سیکھ جائے گا۔ تو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اطاعت کرتے ہیں یا آپ کے ذریعہ جو حکم دئے گئے ہیں وہ اس لئے نہیں کہ آپ خدا اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں بلکہ اس لئے کہ آپ خدا کے احکام کا نمونہ اور تفسیر ہیں۔ اور چونکہ آپ کے نمونہ کو دیکھے بغیر ہم خدا کے کلام کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں **کان خلقہ القران** ۲؎ کہ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا وہ قرآن کو پڑھ لے۔ گویا انہوں نے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قرار دے دیا۔ کیونکہ قرآن میں کوئی صفت اور کوئی خوبی ایسی بیان نہیں ہوئی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ اور قرآن میں کوئی عیب کوئی شرعی برائی اور گناہ اور کوئی کجی جو بیان ہوئی وہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تفسیر ہیں اور ہر رسول اپنے اوپر نازل ہونے والے خدا کے کلام کی تفسیر ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی ہے کیونکہ آپ ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں نہ اس لئے کہ آپ خدا اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں۔ جہاں کوئی شخص آپ سے جدا ہوا وہ قرآن کریم سے جدا ہو گیا کہ آپ مجسم قرآن ہیں۔ پس آپ کی اطاعت بوجہ اسوہ اور نمونہ کے ہے۔ باقی رہے خلفاء ان کے لئے ضروری نہیں کہ اسوہ ہوں اور ان کی اطاعت ویسی نہیں ہوتی جیسی انبیاء کی ہوتی ہے نبی تو جو کہتا ہے وہ ماننا ضروری ہوتا ہے لیکن ایک خلیفہ اگر اپنے وقت میں کوئی مسئلہ بیان کرتا ہے اور کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا تو اس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت

ابوبکر کے وقت آپ ایک مسئلہ اور رنگ میں بیان فرماتے اور بعض صحابہ اور رنگ میں اور سوائے سیاسی اور انتظامی معاملات کے اس وقت خلیفہ جو کہتا اسی پر عمل ہوتا تو مسائل میں اختلاف کیا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد جب لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا' میں ان سے کافروں والا معاملہ کروں گا ۴۳۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ اس کے خلاف تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے کسی کی نہ مانی اور ان لوگوں کو قید کیا اور غلام بنائے گئے۔ اسی طرح اور خلفاء کے زمانہ میں بھی بعض مسائل میں اختلاف ہوتا رہا ہے تو رسول کی اطاعت اور خلیفہ کی اطاعت میں فرق ہے۔ رسول سے کسی بات میں اختلاف کرنا نادانی اور جہالت ہے اور یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ خدا نے غلطی کی ہے کیونکہ رسول کا کلام خدا تعالیٰ کے کلام کی تفسیر ہوتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی مثل ہے۔ کوئی پٹھان قدوری پڑھ رہا تھا۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حرکات کی ہیں۔ مثلاً آپ کی پیٹھ پر بچہ چڑھ گیا اور آپ نے ہٹا دیا۔ یا اٹھا لیا ۴۴۔ یا اور حرکات کیں۔ ادھر بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ حرکت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ پٹھان نے جب یہ بات پڑھی تو کہنے لگا۔ خو محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ وہ یہ نہ سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو نماز کی تفسیر ہیں۔ تو انبیاء کی ہر بات ماننی ضروری ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کے کلام کی تفسیر ہوتے ہیں۔ مگر خلفاء ایسے نہیں ہوتے اگر ہوں تو یہ ان کا ذاتی کمال ہوگا خلافت سے اس کا تعلق نہیں اس لئے ان کی اطاعت نبی کی اطاعت کے مقابلہ میں محدود ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ انتظامی معاملات جن میں جماعت کو جمع رکھنا ہوتا ہے ان میں ان کا حکم مانا جائے۔ مثلاً قاضیوں نے جو فیصلہ کرنا ہوگا وہ خلیفہ کے حکم کے ماتحت کرنا ہوگا۔ تو خلفاء کی اطاعت محدود ہوتی ہے اور صرف چند باتوں میں ہوتی ہے جو انتظامی معاملات سے تعلق رکھتی ہیں۔ مسائل فقہ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ پس خلفاء بھی واسطہ نہیں اور جب انبیاء بھی واسطہ نہ ہوئے اور نہ خلفاء تو پھر اور کونسا وجود واسطہ ہو سکتا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے ہر فرض جو شریعت نے مقرر کیا ہے وہ ہر مسلمان کا فرض ہے اگر تبلیغ کا فرض ہے تو یہ نبی اور خلیفہ کا فرض نہیں۔ وہ اپنی اپنی ذات کے ذمہ وار ہیں۔ باقی ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے اور وہ اپنی ذات کا آپ ذمہ وار ہے۔ اور ایسا ہی ذمہ وار ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس جب تک ہر ایک مسلمان اس بات کو نہ سمجھے کہ دین کے تمام حکم براہ راست اس کے لئے ہیں اور سب کام اس کے ذمہ ہیں تب تک اچھی طرح ان کو ادا نہیں کر سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ ان احکام اور فرائض کو کس طرح ادا کیا جائے۔ یہ مضمون چونکہ اور

وسعت چاہتا ہے اور آج وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے اگلے جمعہ پر ملتوی کرتا ہوں اس دن بیان کروں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ اس کی روشنی میں ہر مسلمان کا عمل کس طرح ہونا چاہیئے۔

(الفضل ۲۴؍ اگست ۱۹۲۳ء)

۱۔ فتوح الغیب مقالہ نمبر۱۷
۲۔ مسند احمد بن حنبل جز و ۶ ص ۲۱۶، طبقات ابن سعد ذکر صفتہ اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی حالات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۴۔ بخاری بحوالہ سیرت خاتم النبیینؐ حصہ دوم ص ۳۱۸